ڈاکٹر کامران عباس کاظمی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

عبدالحلیم شرر کے ناولوں میں تہذیبی و تاریخی شعور

Novel is literary genre which represents life. In Urdu, novel got its start under the requirement of social reformation. Hence the basic motive and primary focus of initial novelists was social and cultural reformation of society. Abdul Haleem Sharar is credited as the first historical novelist in Urdu. However in the outset he also composed novels in social prospective. These social novels incorporate the affects of reformation movements. His social Novel of depiction of contemporary panorama of his age. This article is an attempt to explore to his social and cultural consciousness in the light of his novelistic discourse.

تاریخ کا بنیادی مقصد ماضی کے تمام زائچے کو نظر میں رکھتے ہوئے حال کا مطالعہ کرنا اور مستقبل کے امکانات کا کھوج لگانا ہے۔لیکن تاریخی شعور یعنی تاریخ کے فہم کے بغیر نہ صرف ماضی کے ورثے سے درست آگاہی نہیں ہوسکتی بلکہ حال کے مسائل کا ادراک بھی ناممکنات میں سے ہوگا اور مستقبل کے لیے راہیں تراشنے میں بھی مشکلات کا سامنا ہوگا۔ تاریخی شعور کے لیے کسی بھی سماج کے زمان و مکان کا شعور ہونا بنیادی لازمہ ہے۔کیونکہ کسی سماج کا کسی دوسرے سماج سے امتیاز اس کے عہد اور مقام سے ہی ممکن ہے۔مختلف سماجیاتی حالتوں میں فرق ان کے پیداواری طریقوں، ارتقائی عمل اور تہذیبی روایات سے ہی شناخت کیا جاسکتا ہے۔مختلف سماج آپس میں بہت سی مماثلتیں یا اشتراکات بھی رکھتے ہیں ان کے مابین امتیازات بھی ہوتے ہیں۔تاریخی شعور میں ان امور کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔بعینہ ادب اور تاریخ علم کے دو علیحدہ شعبے ہونے کے باوجود بعض سماجی اشتراکات کے باعث آپس میں گہرے طور پر منسلک ہوتے ہیں۔تخلیقی عمل میں ادب اور تاریخ کے رشتے کی نوعیت تاریخی شعور کے بنا پر ہی وضع کی جاسکتی ہے۔خورشید انور تاریخی شعور کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ادب میں تاریخی شعور کا مطلب یہ قطعی نہیں ہے کہ ادب میں پورے انسانی سماج کی یا مختلف ادوار کی سلسلے وار تاریخ بیان کی جائے، بلکہ ادب میں تاریخی شعور سے مراد مختلف سماجی حقیقتوں کی صحیح سمجھ اور ان حقیقتوں کا پر اثر اظہار ہے۔ یہ حقیقتیں اپنے زمان و مکان کے اعتبار سے ہی پیش کی جانی چاہیے اور زمان و مکان کا یہی شعور کافی حد تک تخلیقات میں تاریخی شعور کا تعین کرتا ہے۔[1]

تخلیق کار کا تخلیقی شعور جس قدر واضح ہوگا اور وہ اس تاریخی عمل سے جتنی آگاہی حاصل کرے گا، جس میں واقعات

وقوع پذیر ہو رہے تھے، اس کی تخلیقات اسی قدر اعلیٰ ہوں گی اور اس کی فکر واضح ہوگی۔جمیل جالبی تاریخی شعور کا ایک اور وظیفہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں''تاریخی شعورعوام وخواص کی تفریق مٹا کر ناانصافیوں کو دور اور سب کے لیے یکساں مواقع و مساوات کو مرکز فکر بنانے میں ہماری دست گیری کر سکتا ہے۔''۲

ادب ہی وہ مرکز ہے جہاں تاریخ اور عمرانیات کی حدیں باہم مل جاتی ہیں۔ ادبیات اردو میں بالخصوص اردو ناول تاریخی شعور کا بہترین حوالہ ہے۔ادب اور تاریخ میں ارتباط باہمی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ تاریخ ادب کے سانچے میں ڈھل کر ایک نئی ہئیت اختیار کر لیتی ہے۔ تاہم بڑا فنکار حقائق مسخ کرنے کی کوشش نہیں کرتا البتہ تخیل کی آمیزش تخلیق ادب میں ایک امتیازی خصوصیت پیدا کر دیتی ہے۔ ادب اور تاریخ کا رشتہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ یہ دونوں قدیم ہیں۔ بالخصوص ناول اور تاریخ دونوں اس قدر قریب ہیں کہ ان کا آپس میں ضم ہوجانا غیر فطری نہیں ہے۔ ناول انسانی زندگی کا عکاس ہوتا ہے جبکہ تاریخ بھی انسانی زندگی کے ماضی کی ہی کہانی کہتی ہے۔ اس لیے دونوں میں کسی رشتہ کا موجود ہونا لازمی امر ہے۔ ناول کا دائرہ کار زندگی کی وسعت اور بوقلمونی پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے تاریخ بالعموم ناول کا ہی موضوع بنتی ہے۔ دنیا بھر میں ایسے ناول زیادہ کامیاب رہے ہیں جن میں کسی خاص تاریخی واقعے یا موضوع کو برتا گیا ہے۔ ایک اچھے تاریخی ناول کی یہ خصوصیت ہونی چاہیے کہ تاریخ اس میں جذب ہو کر آئے اوراس کی تاریخیت یاوقوعے کی تاریخی حیثیت مجروح نہ ہو۔گویا تاریخی ناول نگار جب تاریخ کے واقعات یا صداقت کا اپنے عصر کے ساتھ رشتہ متعین کرے گا یا اپنی عصری صورتحال کو تاریخ کے آئینے میں دیکھے گا تو وہ گہرے تاریخی شعور کا حامل فنکار کہلائے گا۔مؤرخ اور ناول نگار کا فرق واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر فاطمی لکھتے ہیں:

> تاریخ کا تعلق مؤرخ اور تاریخی ناول نگار دونوں سے ہوتا ہے۔ دونوں ہی حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ جہاں مؤرخ تاریخی حقائق کو ماضی کے آئینے میں تلاش کرتا ہے وہاں ناول نگار چونکہ اپنے ناول میں ایک دور کی، ایک عہد کی زندگی پیش کرنا چاہتا ہے، اس وجہ سے وہ جس دور میں بھی جھانکے گا اس کی مکمل زندگی تلاش کر کے تمام انسانی رشتوں کو دیکھنا چاہے گا۔۳

تاریخ نگار محض تاریخ کے سیاسی واقعات دکھاتا ہے، ادبیت یا شعریت اور قصہ پن وغیرہ سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔گویا کوئی خاص اثر انگیزی یا ماحول وہ تخلیق نہیں کر پائے گا لیکن ناول نگار جب تاریخ کو ناول میں ڈھالے گا تو تخیل کی آمیزش فطری امر ہوگا اور قصے کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے وہ مؤرخ کی کوتاہیوں سے دامن بچائے گا۔ کیونکہ جب ناول نگار ماضی میں جائے گا تو وہ اس پورے ماحول کی عکاسی و باز آفرینی کرے گا، وہ معاشرت دکھائے گا جو اس کے موضوع ماضی کا حصہ تھی۔ گویا ناول اور تاریخ میں بنیادی فرق ناول نگار اور مؤرخ کے انداز فکر کا ہے۔ تاریخی ناول نگار اپنے عصر کے انسان کو اس کے گذشتہ سے روشناس کراتا ہے۔شیونرائن کے حوالے سے ناول نگار کے تاریخی شعور کی وضاحت ڈاکٹر فاطمی اس طرح کرتے ہیں:

> وہ (ناول نگار) تاریخ کے تمام مواد کو سمیٹ کر اپنے تخیل کے پنکھ کے ذریعہ ماضی میں نہ صرف پہنچتا ہے

> بلکہ ماضی میں خوبصورتی و زندگی ڈال کر حال میں لاکھڑا کر دیتا ہے اور تاریخ کی سنجیدگی میں تخیل کا رنگ دے کر ناول کے لیے فضا ہموار کرتا ہے اور دو ریوں کو ختم کر کے تاریخی کردار ہمارے درمیان آ کھڑے ہوتے، بولتے ہوئے حرکت کرتے ہوئے۔[۴]

گویا ناول میں تاریخ دراصل ماضی میں گذرے واقعات کا تخیل کے ذریعے تخلیقی اظہار ہوتی ہے۔ یعنی ماضی کے کردار، ماحول اور واقعات اپنی صداقت کے ساتھ تخیل کے ذریعے عصر حاضر میں اپنا اظہار کریں یوں ناول اور تاریخ باہم پیوست ہوں گے اور فنکار کا تاریخی شعور اپنے عصر کی آگہی کا اپنی تاریخ کی روشنی میں اظہار کر سکے گا۔

اردو ناول نگاری کا آغاز اصلاحی قصوں کی صورت میں ہوا دراصل یہ اصلاح پسندی سرسید تحریک کی دین تھی۔ اس عہد کے تمام لکھنے والے بالعموم سرسید کی تقلید میں سماجی اصلاح کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ اصلاح پسندی کی اس تحریک کا بنیادی محرک نوآبادکار حکمرانوں کا دیا ہوا سماجی شعور تھا جس نے چشم زدن میں برصغیر کے صدیوں پر محیط تہذیبی عمل کو غیر مہذب ثابت کر دیا تھا۔ اس اصلاح پسندی نے کئی طرح کے نقطہ نظر پیدا کیے۔ اول یہ کہ سماج کی موجودہ حالت کو ترقی یافتہ سماج کی مثالوں کے ذریعے سے تبدیل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ترقی یافتہ سماج جو مثال بننے کے قابل تھا، وہ حکمران سماج ہی تھا۔ دوم مسلمانوں کو ان کے قرون اولیٰ و وسطیٰ کی مثالوں کے ذریعے بیدار کیا جائے اور انھیں ان کے آبا کے روشن کارنامے دکھائے جائیں۔ دونوں طرح کے رویوں کا مقصد وحید موجودہ ادبار یا غیرمہذب صورتحال میں تبدیلی کی خواہش تھی۔ پہلے رجحان کی نمائندگی سرسید اور حالی نے کی جبکہ شبلی دوسرے رجحان کے نمائندہ سمجھے جاتے ہیں۔ تخلیق کاروں میں ڈپٹی نذیر احمد بھی پہلے رجحان کے ساتھ ہی رہتے ہیں البتہ عبدالحلیم شرر شبلی کے اثرات یا رویے کو قبول کرتے ہوئے پرشکوہ ماضی کی طرف لوٹتے ہیں اور وہاں سے حکمت و بہادری کے قصے تلاش اور تراش کے لاتے ہیں۔

عبدالحلیم شرؔر نے اپنی تصنیفات کے لیے پہلی بار لفظ ''ناول'' کا استعمال کیا۔ اردو ناول نگاری میں عبدالحلیم شرؔر کئی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی اصل پہچان تو تاریخی ناول نگاری ہے لیکن انھوں نے اصلاحی اور سماجی ناول بھی لکھے ہیں۔ اردو ناول میں بیانیہ انداز کو شرؔر نے رواج دیا۔ وہ جزئیات نگاری اور منظر نگاری بھی خوب کرتے ہیں۔ اردو میں تاریخی ناول کے تو وہ موجد ہیں۔ شرؔر کے سماجی و اصلاحی ناول سے زیادہ ان کے تاریخی ناول زیادہ بہتر ہیں اور تاریخی ناولوں میں بھی ماضی بعید کے واقعات پر مشتمل ناول زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ مثلاً ''فردوس بریں''، ''ایام عرب'' اور ''جویائے حق'' وغیرہ زیادہ بہتر تاریخی معلومات کے حامل ہیں۔ تاریخی ناول نویسی اردو ادب میں ایک نئے تجربے اور ایک نئی روش کا آغاز ہے جو شرؔر کا مرہون منت ہے۔ ڈاکٹر آدم شیخ، شرؔر تک کے اردو ناول کا تجزیہ کرتے ہوئے شرؔر کے فن کو یوں سراہتے ہیں:

> شرؔر کا شمار ان اولین تین (نذیر احمد، سرشار، شرر) ناول نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو ناول کو بلحاظ معنی و بلحاظ فن، اسلوب کا نئے نئے راستوں اور فن کی جدید قدروں سے روشناس کرایا۔۔۔ شرؔر نے فن کی بنیادوں پر ناول اور قدیم قصوں کے درمیان ایک امتیازی خط کھینچ دیا۔ شرؔر کے ناولوں کے مطالعے سے ہمیں

اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ فن کار ناول کے فنی لوازم سے واقف ہے۔ اس لحاظ سے شرؔر اردو کے پہلے ناول نگار ہیں کہ انھوں نے ناول کو ناول سمجھ کر لکھا اور ناول کے تمام بنیادی مطالبات پورے کیے۔[۵]

شرؔر کا عہد برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ابتلا اور آزمائش کا عہد تھا۔ اس عہد انتشار میں مختلف اصلاحی تحریکیں پیدا ہوئیں مگر ان میں سب سے مؤثر اور دور رس تحریک کی رہنمائی سرسید کر رہے تھے۔ شرؔر بھی اس تحریک سے متاثر تھے اور اپنے سماج کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ شرؔر بنیادی طور پر مضمون نگار تھے ان کے ناولوں میں بھی انشائی زبان کے اثرات موجود ہیں۔ ناول نگاری کے آغاز میں ''دلچسپ'' (حصہ اول و دوم) اور ''دلکش'' جیسے معاشرتی اصلاحی ناول لکھے۔ شرؔر خالص لکھنو کی پیداوار تھے اس لیے لکھنوی تہذیب کا زوال ان کے لیے اذیت کا باعث ہے۔ شرؔر کے ناولوں میں اصلاحی پہلو غالب ہے البتہ وہ معاشرتی ناولوں میں کہیں کہیں معاشرتی و سماجی مسائل اور الجھنوں کا احاطہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم ان کا کوئی بھی معاشرتی ناول ایسا نہیں ہے جسے معیاری اور عمدہ ناول کہا جا سکے۔ خود شرؔر نے بھی اپنے اچھے اور منتخب ناولوں میں معاشرتی ناولوں کا شمار نہیں کیا۔ ان ناولوں میں شرؔر کا قلم کیوں جادو نہ جگا سکا اس کی توضیح علی عباس حسینی کے ذیل کے اقتباس سے ہوتی ہے:

> یہ مسلمہ امر ہے کہ تاریخی ناول لکھنے والا اپنے عصر کی مرقع کشی نہیں کر سکتا ان کے تمام معاشرتی ناول دلکش، دلچسپ، خوفناک محبت، دربار حرام پور، آغا صادق، بدرالنساء کی مصیبت وغیرہ خیالی ہیں۔ انھیں حقیقت سے بہت کم لگاؤ ہے۔ نہ تو وہ ہماری معاشرت کے صحیح فوٹو ہیں اور نہ ان میں کوئی ایسا کردار ہے جو ادب میں تلمیحی حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔[۶]

کمزور کردار نگاری اور اصلاحی رجحان کے غلبہ نے شرؔر کے معاشرتی موضوعات کے حامل ناولوں کو محض قصہ تک محدود کر دیا ہے۔ شرؔر جہالت، توہم پرستی، پردے کی سختیوں اور فرسودہ خیالات و رسومات کے سخت مخالف ہیں۔ مثلاً اپنے قصہ ''بدر النسا کی مصیبت'' میں پردہ کی سختی سے پابندی کو ہدف بنایا ہے اور اسے سماج میں آگے بڑھنے میں رکاوٹ سمجھا ہے۔ شرؔر اپنے عہد کی لکھنوی معاشرت کی عکاسی کرتے ہیں اور قدیم اور فرسودہ تصورات کو نشانہ بناتے ہیں۔ البتہ شرؔر کے قصوں میں حقیقت نگاری کا مزاج کم ہے۔ ان کے تمام ناول جو معاشرتی موضوعات کے حامل ہیں دراصل مقصدی ہیں۔ وہ نذیر احمد کی طرح مقصد پہلے متعین کرتے ہیں اور پھر اس کے گرد قصے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یعنی ''اردو ناول لکھتے وقت اس بات کا خاص لحاظ رکھتے ہیں کہ ان کا مقصد کہیں فوت نہ ہو جائے۔''[۷] شرؔر لکھنوی معاشرت کے رؤسا کی فضول خرچیوں کو برا سمجھتے ہیں لیکن انھیں دیگر خرابیوں کے باوجود مشرقی تہذیب میں عظمت دکھائی دیتی ہے۔ جاگیردارانہ سماج کی آزادہ روی ان کی پسندیدہ ہے۔ بہت سے معاملات میں وہ بیرونی دنیا یعنی مغرب کو بھی مثالی قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ان کا خیال ہے کہ شادی سے پیشتر لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کو دیکھنے کی آزادی ہونی چاہیے بلکہ وہ محبت کی شادی کو معاشرتی مسائل کا ایک اہم حل سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بزرگوں کے بجائے جیون ساتھی کے انتخاب کا حق خود انھیں ہونا چاہیے جنھوں نے زندگی ساتھ گزارنی ہے۔ مثلاً ناول ''دلچسپ کامل'' (دونوں حصوں کو ملا کر'' دلچسپ کامل'' کے عنوان

سے شائع ہوا) میں اسی صورتحال کی عکاسی کی گئی ہے بلکہ وہ پسند کی شادی کے باقاعدہ مبلغ کے طور پر سامنے آتے ہیں، شرؔر اپنے معاشرتی ناولوں میں مسلمانوں کی جاہلانہ رسوم و رواج کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس عہد کی تہذیبی، سیاسی، سماجی اور سیاسی صورت حال پر ان کی نظر ہے۔ وہ اپنے عہد کی عکاسی خوب کرتے ہیں۔ انھوں نے لکھنوی معاشرت کی دولت کی فراوانی سے لے کر زوال پذیر لکھنو کی تہذیبی صورت حال کو سمجھنے اور اسے ناول کا حصہ بنانے میں شعوری کاوش کی ہے۔ گویا شرؔر اپنے عہد کا سماجی وتہذیبی شعور رکھتے ہیں۔

ہندوستان کی مخصوص تمدنی فضا میں بالخصوص مسلمانوں کا شان وشکوہ اقتدار کی وجہ سے تھا۔ ان کی سماجی و سیاسی سرگرمیاں اقتدار کے محور کے گرد تھیں۔ جب اقتدار ختم ہوا تو سماجی ابتری اور مایوسی زندگی کے ہر شعبہ میں پھیل گئی۔ خود تعلیمی نظام کی ناقص صورتحال کے باعث برصغیر کے افراد بالعموم اور مسلمان بالخصوص اتنی سکت نہیں رکھتے تھے کہ وہ نئے نظام کا ساتھ دے سکیں۔ ہندوستان کے دیگر مذاہب سے وابستہ افراد البتہ بہت زیادہ متاثر نہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے لیے محض حکمران بدلے تھے۔ البتہ نئے نظام اور جدید تمدن کی آمد نے برصغیر کے سماجی شعبے کو ہر سطح پر متاثر کیا۔ نئی صورتحال کا سامنا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ سماج کی پسماندہ اقوام بالخصوص مسلمان جو اس نئے نظام کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، کے لیے ایسی بنیادی اصلاحات کو روبہ عمل لایا جائے جو جدید تناظر سے ہم آہنگ ہوں اور ایسا تعلیم بالخصوص جدید تعلیم کے حصول کے بغیر ناممکن تھا۔ جنگ آزادی یعنی ۱۸۵۷ء کے بعد کی یہی وہ عصریت یا عصری صورتحال ہے جس سے شرؔر آگاہ ہیں۔ لکھنو کا شہری معاشرہ ان کا موضوع ہے۔ ہندوستان کا تہذیبی ماضی اور جدید مغربی تہذیب اور پھر ان کے درمیان تصادم، مشرقی ومغربی اقدار کا ٹکراؤ، جدید علوم کی افادیت، مسلمان معاشرے میں موجود جاہلانہ رسوم، غیر اسلامی شعائر کا رواج، ہندوستان کے دولت مند طبقات کی عیش پسندی اور دیگر پرتعیش اقدار شرؔر کے ناولوں کا موضوع ہیں۔ گویا وہ اپنے عصر کی مکمل آگہی رکھتے ہیں البتہ وہ اسے کامیاب ناول کا روپ نہیں دے سکے۔ شرؔر اپنے عہد کے سیاسی شعور کے حامل ہیں۔ وہ انگریزوں کی تقلید سے موجود صورتحال میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں دیکھتے۔ بقول ڈاکٹر محمد عارف:

> غلامی کا شعور، فرد اور قوم کی آزادی کا اولین مرحلہ ہے۔ شرؔر قوم وملت کی بیداری کا آغاز اسی مرحلے سے کر رہے ہیں۔ اولاً وہ قاری کو بتاتے ہیں کہ ان کے ہیرو، فرخ سمیت کل روسا کی اولادیں، آنکھیں بند کر کے، انگریز کے رہن سہن کی تقلید کیے جا رہی ہیں۔ حالانکہ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ حاکم، حاکم اور محکوم، محکوم ہے کہ لباس بدل لینے سے غلام، آقا نہیں بن جاتا۔[۸]

اگر افراد اور قوم عصری تبدیلیوں اور تقاضوں کو نہ سمجھیں تو وہ سیاسی شعور کے ارتقائی مرحلے میں داخل نہیں ہوتے بلکہ ان کے سیاسی استحصال میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ شرؔر کے معاشرتی ناول پر اثر نہیں ہیں۔ نذیر احمد کی طرح وہ لٹھ بردار اصلاح پسند ہیں شاید اسی لیے ان کے ہاں فکر کی گہرائی اور جذبے کے خلوص کی کمی نظر آتی ہے۔ واقعیت ان کے ناولوں میں زیادہ ہے۔ اصلاحی جذبہ ایک طرح سے رومانوی طرز احساس کا حامل ہے۔ اس رومانویت کی فضا اس وقت اور گہری ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے جب منظر کشی میں ان کا شاعرانہ اسلوب جادو جگاتا ہے۔ ’’نقادوں نے عموماً یہی کہا ہے

کہ یہ ناول مقصد کے اظہار اور فن کے اہتمام کے نقطہ نظر سے ان کے تاریخی ناولوں کے مقابلے میں کمتر درجے کے ہیں اور بہ حیثیت مجموعی ناقابل اعتنا ہیں۔‘‘[۹] شرؔر اپنے معاشرتی و سماجی شعور کا مقصد پہلے طے کرتے ہیں اور پھر اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے واقعہ نگاری کا سہارا لیتے ہیں۔ شرؔر ناول کے ذریعے اخلاقی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ لکھنوی تہذیب کو وہ مسلمانوں کا خوش نما عہد گردانتے تھے۔ اس لیے ان کا خیال ہے کہ ناول وہ مؤثر ذریعہ ہے جس کا سہارا لے کر تہذیب کو ذہن نشین کرایا جا سکتا ہے۔

شرؔر سمجھتے تھے کہ ناول کا موضوع تاریخ ہونا چاہیے معاشرتی موضوعات ناول کے لیے مناسب نہیں ہوتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے معاشرتی موضوعات پر مشتمل قصے کامیاب نہیں ہیں لیکن ان کا تہذیبی شعور پختہ ہے وہ سماجی و تہذیبی آگہی رکھتے ہیں لیکن اس آگہی کو کامیاب قصے میں بدل نہیں سکے۔ شرؔر کے سماجی ناولوں سے متعلق ایک اہم اقتباس ڈاکٹر سیمیں ثمر فضل کا ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس میں شرؔر کے عمرانی شعور کے متعلق نہایت مناسب رائے دی گئی ہے:

> عمرانی نقطۂ نظر سے شرؔر کی سماجی ناولیں ایک سماجی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ ان ناولوں سے ہمیں اس عہد کے ان رجحانات کا پتہ چلتا ہے جو اس وقت کی اصلاحی تحریکوں کے زیر اثر ابھر رہے تھے۔۔۔ عبدالحلیم شرؔر ایک روشن خیال انسان تھے، اور جدید افکار سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ لہذا انہوں نے ان ناولوں کے ذریعہ سماج کی فرسودہ رسموں، مذہبی تنگ نظری اور پردے کی خرابی کے متعلق لوگوں کے ذہن کو متوجہ کرنے کی کوشش کی بالخصوص مسلمان عورتوں کی اصلاح کی کوشش کی۔[۱۰]

لکھنوی معاشرت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی برتری کے باوجود یہاں قدیم جاگیردارانہ تہذیب سے وابستگی برقرار رہی ہے البتہ مغربی تہذیب کی مادی برکات اور اس کی قوت عمل نے اس قدیم تہذیب کی بے عملی اور فرسودگی کو عیاں کر کے رکھ دیا۔ قدیم تہذیب اور جدید عصریت کے مابین اشتراک کے امکانات معدوم ہو گئے کیونکہ قدیم تہذیب میں وہ طاقت نہیں تھی کہ وہ عصری تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ اس کی وجہ ایسے طبقات تھے جو جدید تہذیب سے آنکھ ملانے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اور قدیم تہذیب سے دست بردار ہونے کو بھی تیار نہیں تھے۔ گویا تہذیبی اعتبار سے لکھنو اپنے مقابل دوسرے تہذیبی خطے دلی کی بہ نسبت زیادہ گہری تقسیم کا شکار تھا۔ تہذیبی اقدار واضح نہیں تھیں سو ایک سماجی و تہذیبی انتشار پیدا ہوا جیسے ایک طرف اصلاحی و سماجی موضوعات کے حامل قصوں سے دور کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ ایک رویہ اس تہذیبی انتشار کے مضحکہ خیز پہلوؤں کو نمایاں کر کے اس کا استہزا اڑانے کا بھی پیدا ہوا جس نے ’’اودھ پنچ‘‘ کے تخلیق کاروں کو جنم دیا۔ البتہ اس صورتحال کا بہتر اظہار معاشرتی ناول میں ہی ہو سکتا تھا جس کا آغاز سرشار نے کیا اور شرؔر نے تہذیبی عکس بندی کی مگر اس کا نقطۂ عروج ’’امراؤ جان ادا‘‘ کی صورت میں سامنے آیا۔ شرؔر اپنے معاشرتی قصوں میں اپنے موضوعات اور مواد کی اہمیت کے بارے میں آگاہ ہیں۔ ان کا تہذیبی و معاشرتی شعور ان قصوں سے جھلکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ان میں فکر کی گہرائی مفقود ہے۔ اصلاح کا جذبہ تو موجود ہے مگر جذبے میں اخلاص کی گرمی ناپید ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود شرؔر کے معاشرتی موضوعات اپنے عصر کے نمائندہ ہیں۔

اردو ناول کے تمام منظر نامے میں مختلف طرح کی تہذیبی صورت حال دکھائی دیتی ہے۔البتہ مغربی معاشرت دہلی اور لکھنو کی تہذیبی فضا پر حاوی ہوتی نظر آتی ہے۔انیسویں صدی کا زمانہ ویسے بھی ہیجان خیز رہا ہے۔اسے تہذیبی انتشار کا دور بھی کہا جاسکتا ہے ،روایتی اور قدامت پسند معاشرے میں جدید اور سائنسی علوم کی آمد اور پھر ایک نئے مذہب عیسائیت کی تبلیغ وغیرہ نے بھی اس ہیجان میں اضافہ کیا۔اردو ناول میں انیسویں صدی کے رجحانات کا محاکمہ کرتے ہوئے سید محمد عقیل لکھتے ہیں۔

> اردو ناول نگاری کی تاریخ میں، انیسویں صدی ،نقاط نظر کے اختلاف اور سیاسی وتہذیبی اتھل پتھل کی صدی رہی ہے۔ یہ دور ہندوستان کی ادبی و ذہنی تاریخ کے لیے ایک غیر معمولی دور ہے۔یورپ سے آتی ہوئی نئ تہذیبی صورتیں، رہن سہن کے انداز،تعلیم وتعلم کے تصورات، نئ تعلیم میں افادیت پرانی تعلیم کی بے وقعتی کے ساتھ ساتھ، اس کا نئ نوکر شاہی میں بے مصرف ہوجانا پھر ملک میں آئے ہوئے نئے عیسائی مذہب سے مقابلے اور مناظرے،ان ساری باتوں نے ناول میں نئ نئ تہذیبی رفاقتیں اور جانب داریاں بھی پیدا کیں اور ازکار رفتہ صورتوں کو چھوڑ کر، نئ آتی ہوئی زندگی کو خوش آمدید بھی کہا۔ایک ٹکراؤ کی صورت بھی ہے جومٹتی ہوئی پرانی روایت اور تہذیبی بقا کی کوشش کے ساتھ ہے۔[۱۱]

ڈپٹی نذیر احمد سے مرزا ہادی رسوا تک برصغیر کی تہذیبی وسماجی زندگی میں آنے والا تغیر اور نئے امکانات سب کے پیش نظر رہے ہیں۔ البتہ ان ناول نگاروں کی تخلیقات میں مزاحمت کا عنصر کم یا سرے سے ناپید ہے اور نئ جنم لینے والی صورتِ حال کی قبولیت کا جذبہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔

شرؔر نے تاریخی ناول نگاری کو اپناتے ہوئے ایک ایسے عہد کا احیا کرنے کی کوشش کی جو تاریخی اعتبار سے متروک ہو چکا تھا۔ بقول سید وقار عظیم ”شرؔر نے اردو میں تاریخی ناول لکھنے کی ابتدا کی اور اس روش کو ایک واضح نصب العین کے تحت استعمال کیا۔۔۔شرؔر عظمت ماضی کی داستانیں دہرا کر مسلمانوں کے دل میں وہ جوش اور ولولہ پیدا کرنے کے خواہش مند تھے جو افسردہ دلوں کی رہنمائی کر کے انھیں عمل کے راستے پر گامزن کر سکے۔“[۱۲] اردو ناول نگاری میں باقاعدہ تاریخی ناول نگاری کا آغاز عبدالحلیم شرؔر نے کیا۔شرؔر نے ۱۸۵۶ء میں سقوط لکھنو کا سانحہ اور اسے تباہ و برباد ہوتے دیکھا تھا۔ وہ لکھنو کو اسلامی تہذیب وتمدن کے عروج کی علامت سمجھتے تھے۔لکھنوی معاشرت کے عروج کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ اب اس کا زوال بھی دیکھ رہے تھے۔گویا وہ لکھنوی معاشرت کا تہذیبی وتمدنی شعور رکھتے تھے۔عبدالحلیم شرؔر کے تاریخی ناولوں میں ماضی پسندی ،تخیل کی آزاد کارفرمائی،مسلم عہد زریں میں آسودگی کی تلاش،مسلمانوں کے جاہ و جلال کی نو دریافت کا عمل اور خود شرؔر کے مزاج کی ہیجان خیزی جیسے رومانوی عناصر کا خوب اظہار ہوا ہے۔شرؔر مسلمانوں کے روشن ماضی کی بازیافت کے عمل میں سرگرداں ہیں اور اس ماضی کی کچھ تصویریں انھیں لکھنوی دربار میں نظر آتی ہیں اس لیے ان کے رومانی جذبات اس عہد کی تعریف وتوصیف سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔” شرؔر کی ہیجان پسندی درحقیقت ان کے رومانی مزاج کا بنیادی عنصر ہے اور اس کا اظہارانہوں نے اسلامی تاریخی ناولوں میں فراوانی سے کیا ہے۔“[۱۳]

شررؔ کی تاریخی ناول نگاری کے پس منظر میں ملک وقوم کی اصلاح کا جذبہ ہی روبہ عمل ہے۔ اصلاح کا جذبہ ہی شررؔ کی تاریخی ناول نگاری کا مقصد ہے۔ تاریخی ناول کی ایک ضرورت قوم کی موجودہ زبوں حالی کو ماضی کی شاندار روایات دکھا کر پژمردگی کی کیفیت کو بدلنا ہوتا ہے۔ شررؔ کی عصری صورتحال ذہنی تذبذب اور انتشار سے عبارت تھی۔ جبکہ نو آباد کارفکریات کا اہم عنصر یہ بھی تھا کہ ماضی کی روایات سے یکسر قطع تعلق کر لیا جائے لیکن عہد شررؔ کی عمومی کیفیت یہ تھی کہ ماضی سے یکسر قطع تعلق کرنا اور حال کو نظر انداز کرنا دشوار مرحلے تھے۔ عصری تقاضے اور سیاسی تبدیلی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا اور ماضی قریب بھی کچھ ایسا خوش کن نہیں تھا کہ اس کی مدح سرائی کی جائے۔ یہ ممکن ہے کہ ماضی قریب کی مدح سرائی سے اس مقصد کو بھی نقصان کا احتمال ہو جو شررؔ نے سرسید سے فکری اتفاق کرتے ہوئے طے کیا تھا۔ گویا نہ قدیم تہذیب کو اپنایا جا سکتا تھا اور نہ جدید تہذیب کو آسانی سے قبول کیا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کو ان کی شاندار روایات کی جھلک دکھا کر ملال کی کیفیت ختم کرنے کے لیے شررؔ ماضی کے سفر میں نکل کھڑے ہوئے۔ ماضی قریب میں ایسی ٹھوس قدریں عنقا ہونے کے باعث جن پر حال کو استوار کیا جا سکتا، شررؔ اسلامی دور کے اس عہد تک جا پہنچے جہاں ایک جاہل قوم نے نئی زندگی حاصل کی اور وہ جاہلیت سے تہذیب کے دائرے میں داخل ہوئے۔ گویا اس عہد کے پاس وہ اخلاقی قوت اور ٹھوس اقدار موجود تھیں جس نے جاہل قوم کو نہ صرف مہذب کیا بلکہ تمام اقوام پر ان کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی برتری کا غلبہ بھی قائم ہوا۔ شررؔ اپنے عہد کے سماج کو ان کا شاندار ماضی یاد دلاتے ہیں اور اس کی اقدار اور اخلاقی قوت کے احیا پر زور دیتے ہیں اور موجودہ ابتری کو اس تہذیبی قوت سے گمراہ ہونے کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ البتہ ان کے تہذیبی شعور سے جو فرو گزاشت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کچھ مخصوص تہذیبی قوتیں، اخلاقی اقداری سماجی نظام یا فکریات میں کسی خاص عصر سے وابستہ ہوتی ہیں، سماجی صورتحال، طبعی ماحول، تہذیبی تغیر اور جدید عصری تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ماضی کی فکریات میں ضروری تغیر اور تبدیلی لازمی ہو جاتی ہے اور انھیں من وعن لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جہاں جہاں شررؔ آفاقی اخلاقی قوت کی بازیافت کی بات کرتے ہیں وہاں ان کا تاریخی شعور موجودہ زوال کی وجوہات تلاش کر لیتا ہے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ نوآبادیاتی نظام نے عام ہندوستانی کو پست اخلاقی اقدار کا حامل قرار دے کر ہی سامراجی استبداد کی بنیاد رکھی تھی اور نوآبادیاتی باشندوں نے اپنی تخلیقی وعلمی قوت کے ذریعے سامراج کے اس ہتھکنڈے کو درست بھی قرار دے دیا تھا۔ شررؔ بھی یہاں آفاقی اخلاقی اقدار سے دست برداری کو ہندوستانیوں کی بالعموم اور مسلمانوں کے زوال کی بالخصوص وجہ قرار دیتے ہیں۔ آفاقی اقدار کے احیا پر زور دیتے ہوئے شررؔ رجعت پسند نہیں بلکہ ترقی پسند تخلیق کار کے طور پر ابھرتے ہیں۔ شررؔ بھی سرسید کے تتبع میں مغرب کو آزادی فکر اور جدید علمی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں۔ البتہ شررؔ مغرب کی اعلیٰ اخلاقی صفات کو مسلمانوں کے تہذیبی ماضی کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔ شررؔ نے تاریخ کے ایسے ادوار کو چنا ہے کہ جہاں مسلمانوں نے شاندار تہذیبی وسماجی اور سیاسی وعلمی روایات قائم کیں اور اہل مغرب پر اپنی بالادستی کو ثابت بھی کیا۔ ’’لیکن وہ تاریخ کے اس دور کو پیش کرتے وقت کہیں طنز وتمسخر سے کام نہیں لیتے اور نہ ہی وہ جدید مغربی تہذیب کی مذمت کرتے ہیں۔‘‘[۱۴] بلکہ وہ ان تہذیبی وسماجی اقدار کا حوالہ دیتے ہیں جنھیں ترک کرنے سے اہل ہند اور بالخصوص مسلمان موجود ابتر حالت کا شکار ہوئے اور جنھیں اپنا کر اخلاقی زبوں حالی کا صدیوں شکار رہنے والی قوم آج غالب قوت ہے۔ اسی لیے شررؔ تاریخ لکھنے کے بجائے

تاریخ کو ناول بناتے ہیں۔ کیونکہ ٹھوس تاریخ ایک خاص علمی طبقہ تک بار پا سکتی ہے جبکہ ناول کے مخاطب سماج کے ہر طبقہ کے افراد ہوتے ہیں۔ خالص تاریخ لکھنے کا کام شرؔر نے اپنے ہم عصروں شبلی اور سید امیر علی کے کندھوں پر رہنے دیا اور خود مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی سے قوت حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کی راہیں تلاش کرنے کا ذمہ لیا۔

تاریخی موضوعات کو ناول کا موضوع بنانے کا محرک جذبہ محض یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کے درخشندہ ماضی سے آگاہ کیا جائے اور عصری صورت حال میں ان کے دلوں پر چھائی پژمردگی اور مایوسی کی فضا کو ختم کیا جاسکے تا کہ وہ ایک نئے ولولے سے ایک روشن مستقبل کی طرف بڑھ سکیں۔ البتہ شرؔر تاریخی حقیقت نگار نہیں ہیں بلکہ تاریخی قصہ گو ہیں کیونکہ وہ ان تاریخی واقعات جنھیں وہ موضوع بناتے ہیں، کے اسباب وعلل کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ فقط اس تاریخی واقعے سے اک جوش پیدا کر دینا چاہتے ہیں۔ سید محمد عقیل نے مغربی تاریخی ناول نگاروں اور شرؔر کے مابین امتیاز واضح کرتے ہوئے نہایت صائب رائے دی ہے:

> مغربی تاریخی ناول نگار۔۔۔تاریخ کے اثرات زندگیوں پر دیکھتے ہیں اور ان اثرات کی تجزیب بھی اپنی تحریروں میں کرتے ہیں جبکہ شرؔر ایک جذبہ ء تفاخر کے ساتھ تاریخ میں داخل ہوتے ہیں اور بہت کچھ ان کا رویہ، جوابی اور مناظرانہ ہوتا ہے۔ تاریخ نے مسلمانوں کو روند کر رکھ دیا تھا، ان کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی جو تاریخ کے بدلنے سے تہس نہس ہوگئی تھی، اس کا ادراک، اگر وہ کرتے بھی ہیں تو بیان نہیں کرتے کہ اس سے، ان کے خیال میں ایک ہمت شکنی کی فضا بنتی ہے، جو اس وقت کے حالات کے تحت مناسب نہ تھی۔ [۱۵]

شرؔر کی خواہش تھی کہ راکھ کا ڈھیر بن جانے والے اس انبار میں کوئی چنگاری پیدا کر دیں۔ شرؔر کا مقصد بھی قوم کی اصلاح تھا اور وہ مسلمانوں میں قومی جوش پیدا کرنا چاہتے تھے تا کہ وہ بھی ترقی کے راستے کو اپنا لیں۔ خود شرؔر کا ناول لکھنے کا اپنا منتہائے مقصود بھی یہی تھا۔ اپنے پہلے ناول ''ملک العزیز ورجنا'' کے اختتام پر رسالہ ''دلگداز'' میں لکھتے ہیں''اس ناول سے قوم اسلام نے وہ کارنامے دکھائے، جو بجھے ہوئے جوشوں اور پژمردہ حوصلوں کو از سرنو زندہ کر سکتے تھے۔''[۱۶]

شرؔر کے تاریخی ناولوں کی تعداد چونتیس (۳۴) ہے۔ جس ناول نے زیادہ شہرت حاصل کی وہ ''فردوس بریں'' ہے۔ علی عباس حسینی، احسن فاروقی، سہیل بخاری وغیرہ سب اس ناول پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہیں اور شرؔر کے تمام ناولوں کے مقابلے میں اسے کامیاب ناول قرار دیتے ہیں۔ اس ناول کا قصہ ایک تاریخی فرقہ ''باطنیہ'' کے عروج و زوال کی داستان سناتا ہے۔ تجسس اس ناول کی وہ خوبی ہے جو اسے پر لطف بناتی ہے۔ شرؔر نے یہاں پلاٹ تو تاریخی حقائق سے مرتب کیا مگر صرف تاریخیت پر انحصار کرنے کے بجائے تخیل کا خوب استعمال کیا ہے۔ شرؔر کے فن کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر ناول میں رومان کو ساتھ ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ گو کہ ان کے ہیرو مسلمان ہیں اور بعض مواقع پر ان پر شریعت کی حد بندیوں کو بھی نرم کر دیتے ہیں اور قصے کی ہیروئن غیر مسلم ہیں جو مسلمان ہو کر اپنے عاشق سے ہم آغوش ہو جاتی ہیں۔ ''فردوس بریں'' شرؔر کی ناول نگاری کا کامیاب نمونہ ہے۔ مگر زیر نظر مقالہ میں یہ دیکھنا ہے کہ ماضی کے شاندار تہذیبی ورثے کی بازیافت کرنے کے بعد شرؔر اپنے عصر پہ اسے کیسے منطبق کرتے ہیں؟ فرقہ باطنیہ کن حالات میں پیدا ہوا اور ان حالات کی موجودہ

عصریت سے کیا سا جھے داری ہے؟ ناول کے پیش نظر بنیادی مقصدیت کی تشفی کیونکر ہوسکی ہے؟ کیا شرؔر کا تاریخی شعور ماضی کی بازیافت کو اپنے عصری مزاج سے ہم آہنگ کر پایا؟ ان سوالات کا جواب ناول کے قصہ سے تشفی بخش نہیں ملتا۔ بقول یوسف سرمست:

> ناول میں فرقہ باطنیہ اور اس کی سرگرمیاں ہی مدِنظر رہتی ہیں۔ اس فرقہ سے اس زمانہ کی زندگی پر کیا اثر مرتب ہو رہا تھا۔ اس عہد کی سماجی زندگی کس انداز سے متاثر ہو رہی تھی، اس عہد کی عام زندگی کا کیا نہج تھا، فرقہ باطنیہ کے متعلق لوگوں کے کیا خیالات اور تاثرات تھے، اس پر بالکل روشنی نہیں پڑتی۔[۱۷]

شرؔر کا بنیادی مقصد مسلم امہ کی بیداری اور مسلمانان ہند کو ان کی زبوں حالی کا احساس دلانا تھا اس لیے ان کے ناولوں میں بیان کردہ تاریخی واقعات کا اسلام کے عہد زریں سے تعلق ہے۔ یعنی وہ شعوری طور پر ان واقعات کو منتخب کرتے ہیں جو مسلمانوں کے عہد عروج سے متعلق ہیں۔ یہاں ان کا تاریخی شعور کارفرما نظر آتا ہے کہ احساس زیاں کے شکار مسلم سماج کو ان کے عروج کی تصاویر دکھا کر ان میں جوش و جذبہ ابھارا جائے تاہم وہ ان تاریخی ادوار کے مابین اشتراک پیدا کرنے میں زیادہ کامیاب نہیں ہوئے۔ شرؔر کے بالعموم تمام ناول قرون اولیٰ کے مسلم تاریخی ادوار سے متعلق ہیں۔ ''فردوس بریں'' بھی بنوعباس سلطنت کے عروج سے متعلق ہے۔ تاریخی ناول کی ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ تاریخیت کو ناول میں اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ اس عہد کے سماج کی مکمل معاشرت کی عکاسی ہو جائے لیکن مذکورہ ناول مکمل عکاسی میں کامیاب نہیں ہوا۔ ناول کے دو اہم کردار حسین اور زمرد مصنف کے تخیل کی پیداوار ہیں۔ یہ تاریخی کردار محسوس نہیں ہوتے۔ شاید شرؔر کا یہ ناول کامیاب بھی اسی وجہ سے ہے کہ یہاں تاریخیت پر تخیل حاوی ہے۔ جس تاریخی شعور کا شرؔر نے اپنے لیے تعین کیا تھا اس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی کی تصاویر دکھائی جائیں اور ایک خاص جوش و جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکیں۔ ڈاکٹر رشید گوریجہ کا خیال ہے:

> عبدالحلیم شرؔر وہ پہلے باقاعدہ تاریخی ناول نگار ہیں جنھوں نے ایک واضح تاریخی شعور کے تحت تاریخ اسلام کے اہم واقعات کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ تاریخی ناول نگار کے لیے سب سے اہم بات موضوع کا انتخاب ہے کیونکہ اسی پر اس کی کامیابی کا انحصار ہے کہ وہ اپنے قارئین کے مزاج اور ادبی ذوق کی تسکین کے لیے تاریخ کے کس عہد کو منتخب کرتا ہے۔[۱۸]

شرؔر کے ساتھ ایک قضیہ یہ بھی ہے کہ وہ جس عہد کو ناول کا موضوع بناتے ہیں اس عہد کی معاشرت کے متعلق زیادہ معلومات نہیں رکھتے۔ بلکہ درست معنوں میں وہ عہد زوال سے پہلے کی لکھنوی معاشرت کو بروئے کار لاتے ہیں۔ یعنی قصہ تاریخ کے جس دور سے بھی متعلق ہو شرؔر معاشرت کی کمی کو لکھنوی معاشرت کی خصوصیات ڈال کر پورا کرتے ہیں۔ یوں وہ تاریخی واقعات کو بھی ضرورت مطابق بدل لیتے ہیں۔ اس طرح نہ تاریخیت اپنی سچائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے اور نہ ہی ناول اپنی عصریت سے ہم آہنگ ہو پاتا ہے۔ شرؔر کے تاریخی شعور میں کمی کا باعث ان کا مسلم تعصب کا اظہار بھی ہے۔ مثلاً

ایک عام سا مسلمان سپاہی کسی قوی ہیکل دیو سے کم طاقت ور نہیں ہوتا۔ ایک معمولی سا مسلم فوج کا دستہ دشمن کی کسی بڑی سے بڑی فوج پر بھی بھاری ثابت ہوتا ہے اور غیر مذہب کی حسین لڑکیاں تو مسلمان ہیرو پر پہلی ہی نظر میں عاشق ہو جاتی ہیں۔ گویا ہندوستان کی مخصوص تمدنی فضا میں شررؔ کا سماجی شعور یہ باور کیے بیٹھا ہے کہ صرف مسلمان ہی ایسی قوم ہیں جن کو طاقت، عزت اور وقار زیبا ہے۔ ناول کے انجام کار مسلمان فوج اپنی مقابل فوج پر بہر حال غالب آ جاتی ہے جسے شررؔ ''خیر'' کا ''شر'' پر غالب آنا قرار دیتے ہیں۔ البتہ شررؔ کا بنیادی مقصد یعنی اصلاح معاشرہ اور مسلمان قوم میں جوش و جذبہ بیدار کرنا، ناول میں کسی لمحے اوجھل نہیں ہوتا بلکہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس مقصدیت کو ناول کے قصہ میں سمو کر لاتے ہیں۔ شررؔ کے تاریخی ناولوں میں اہمیت ''فردوس بریں'' کو ہی حاصل ہے۔ اس ناول میں شررؔ کا تخیل بیشتر تاریخی حقائق کے قریب ہے۔ البتہ براہ راست مشاہدے یا تاریخی مطالعے کی کمی کہیں کہیں کھٹکتی ہے۔ شررؔ کے تاریخی قصوں پر عمومی تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام لکھتے ہیں:

> شررؔ کے یہاں تاریخی تخیل کی زبردست کمی پائی جاتی ہے۔ اس کے بغیر ماضی کی تشکیل نو ناممکن ہے۔ شررؔ کے یہاں صرف ایک ناول ''فردوس بریں'' ایسا ہے جس میں تاریخی مواد کو کچھ سلیقے کے ساتھ برتا گیا ہے۔ تقریباً ہر حیثیت سے یہ شررؔ کا کامیاب ترین ناول ہے۔ ناول کی ضروریات کی خاطر شررؔ نے تاریخ میں ترمیم تو ضرور کی ہے مگر دراصل تاریخی واقعہ کو برقرار رکھا ہے۔[۱۹]

شررؔ کے معاشرتی ناولوں کے مقابل بہر حال ان کے تاریخی ناول بہتر ہیں اور اردو ناول نگاری میں ان کے مقام و مرتبے کے تعین میں بھی مددگار ہیں۔ تاریخی ناول کا آغاز کر کے انھوں نے اردو میں ناول نگاری کو ایک نئی سمت سے بھی روشناس کرایا اور اپنے عہد کی روح عصر کو بھی اس میں سمونے کی کوشش کی۔ روح عصر سے مراد ایک خاص مقصدیت یعنی مسلمانوں کے سیاسی، تہذیبی، سماجی اور اخلاقی زبوں حالی اور دل گرفتہ ہونے کی کیفیت کا ادراک اور اس سے انھیں نکلنے میں مدد فراہم کرنا جس کا واضح مطلب اصلاح معاشرہ ہے، سرسید تحریک کی پیدا کردہ یہ عصریت شررؔ نے بھی اپنے ناولوں میں برتی۔ گویا وہ اس عصری شعور سے ہم آہنگ تھے جو سرسید تحریک کا پیدا کردہ تھا۔

مثالیت پسندی (Idealism) ۱۸۵۷ء کے بعد کے عہد کی Episteme ہے۔ نذیر احمد کی مثالیت پسندی ایک خاص مسلمان طبقے کی معاشرت اور اصلاح ہے۔ نذیر احمد کے تتبع میں اصلاح کا مقصد دیگر ناول نگاروں کی تحریروں میں بھی نمایاں ہیں۔ شررؔ کی تحریروں میں رومانویت کا غلبہ ہے۔ ایک خاص مسلم تاریخ کی رومانویت کے غلبہ کی وجہ سے شررؔ کی تحریروں میں بھی تصوریت (Idealism) کے عناصر نمایاں ہیں۔ مثالیت پسندی فن کار کو سماجی و تاریخی حقیقت نگاری کے راستے سے ہٹا دیتی ہے۔ اس لیے شررؔ کے ناولوں میں بھی تاریخی عمل پر تخیل کا غلبہ ہے اور تخیل کا یہ غلبہ بالخصوص عشقیہ داستانوں کی دین ہے تاہم شررؔ ماضی کی مسلم معاشرت کی عکاسی بخوبی کرتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ خورشید انور، قرۃ العین کے ناولوں میں تاریخی شعور، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۳۴

۲۔ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم: جمیل جالبی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم، جون ۱۹۷۹ء، ص ۳

۳۔ علی احمد فاطمی، ڈاکٹر، عبدالحلیم شرر بہ حیثیت ناول نگار، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۴

۴۔ علی احمد فاطمی، ڈاکٹر، عبدالحلیم شرر بہ حیثیت ناول نگار، ص ۱۷۵

۵۔ آدم شیخ، ڈاکٹر، مرزا رسوا حیات اور ناول نگاری، نسیم بک ڈپو، لکھنو، طبع دوم، ۱۹۸۱ء، ص ۱۱۴

۶۔ علی عباس حسینی، اردو ناول کی تنقید اور تاریخ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۵ء، ص ۲۴۴

۷۔ صالحہ زرین، ڈاکٹر، اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ (ابتدا سے ۱۹۴۷ تک)، ادارہ نیا سفر، الہٰ آباد (انڈیا)، ۲۰۰۰ء، ص ۹۲

۸۔ محمد عارف، ڈاکٹر، اردو ناول اور آزادی کے تصورات، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۶ء، ص ۳۵۵

۹۔ سید وقار عظیم، پروفیسر، عبدالحلیم شرر، مشمولہ: تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد چہارم، ص ۱۷۹

۱۰۔ سیمیں ثمر فضل، ڈاکٹر، ہندوستانی مسلم خواتین کی جدید تعلیمی ترقی میں ابتدائی اردو ناولوں کا حصہ، ناشر: مصنفہ، بہ تعاون: فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۹

۱۱۔ محمد عقیل، سید، جدید ناول کا فن (اردو ناول کے تناظر میں)، نیا سفر پبلی کیشنز، الہٰ آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۶۲

۱۲۔ سید وقار عظیم، پروفیسر، داستان سے افسانے تک، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۷۳، ۷۴

۱۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، طبع چہارم، ۱۹۹۹ء، ص ۴۲۲

۱۴۔ صدیقی، عظیم الشان، اردو ناول، آغاز و ارتقا (۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۸ء، ص ۳۷۸

۱۵۔ محمد عقیل، سید، جدید ناول کا فن (اردو ناول کے تناظر میں)، ص ۶۵

۱۶۔ شرر، عبدالحلیم، مضامین شرر، جلد ۳، بحوالہ اردو میں تاریخی ناول، ص ۱۵۹

۱۷۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۰

۱۸۔ رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر، اردو میں تاریخی ناول، ابلاغ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۴۴

۱۹۔ عبدالسلام، ڈاکٹر، اردو ناول بیسویں صدی میں، اردو اکادمی سندھ، کراچی، ۱۹۷۳ء، ص ۶۳